تمہارے سپرد کی گئی ہیں، ان میں تمہارا عمل کیا ہوتا ہے، شکر گزاری اور فرمانبرداری کا یا ناشکری اور نافرمانی کا؟

چھٹی آیت میں ان دونوں حالتوں کا انجام اس طرح بتلا دیا: اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی آپ کا رب نافرمانوں پر جلد عذاب بھیجنے والا ہے، اور فرمانبرداروں کے لئے غفور ورحیم ہے۔

سورۂ انعام کا شروع حمد سے ہوا اور ختم مغفرت پر، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حمد کی توفیق اور مغفرت سے سرفراز فرما دیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ انعام مکمل ایک ہی دفعہ نازل ہوئی، اور اس شان کے ساتھ نازل ہوئی کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آئے، اسی لئے حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ سورۂ انعام قرآن کریم کی افضل واعلیٰ سورتوں میں سے ہے۔

بعض روایات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ یہ سورۃ جس مریض پر پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُورَةُ الاعراف

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا،

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے،

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ

یہ کتاب اتری ہے تجھ پر سو چاہئے کہ تیرا جی تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے

مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ

سے تاکہ ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو ایمان والوں کو، چلو اسی پر جو اترا تم پر

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا

تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے تم بہت

مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا

کم دھیان کرتے ہو، اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب

بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ

راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے، پھر یہی تھی ان کی پکار جس وقت کہ پہنچا ان پر

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔـلَنَّ الَّذِيْنَ

ہمارا عذاب کہ کہنے لگے کہ بیشک ہم ہی تھے گنہگار، سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے

اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔـلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ

جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے، پھر ہم ان کو احوال

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

سنا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے

خلاصہ مضامین سورۃ

تمام سورۃ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر مضامین معاد (آخرت) اور رسالت سے متعلق ہیں، اور پہلی ہی آیت كِتٰبٌ اُنْزِلَ میں نبوت کا اور آیت نمبر ۶ میں فَلَنَسْـَٔـلَنَّ میں معاد و آخرت کی تحقیق کا مضمون ہے، اور رکوع چہارم کے نصف سے رکوع ششم کے ختم تک بالکل آخرت کی بحث ہے، پھر رکوع ہشتم سے اکیسویں رکوع تک وہ معاملات مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے ہوئے ہیں، یہ سب مسئلے رسالت سے متعلق ہیں، اور ان قصص میں ساتھ ساتھ منکرین رسالت کی سزاؤں کا بھی ذکر چلا آیا ہے، تاکہ منکرین موجودین کو عبرت حاصل ہو، اور رکوع بائیس کے نصف سے تئیس کے ختم تک پھر معاد کی بحث ہے، صرف ساتویں اور بائیسویں رکوع کے شروع میں اور آخری رکوع چوبیس کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے، باقی بہت کم حصہ سورۃ کا ایسا ہے جس میں جزوی فروعی احکام بمناسبت مقام مذکور ہیں (بیان القرآن)

خلاصہ تفسیر

الٓمّٓصٓ، (اس کے معنی تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے، جس پر امت کو اطلاع نہیں دیگئی بلکہ اس کی جستجو کو بھی منع کیا گیا، كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ) یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو اللہ کی جانب سے آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ (لوگوں کو سزائے نافرمانی سے) ڈرائیں، سو آپ کے دل میں (کسی کے نہ ماننے سے) بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے (کیونکہ کسی کے نہ ماننے سے آپ کے اصل مقصد بعثت میں جو کہ حق بات پہونچانے کا ہے کوئی خلل نہیں آتا، پھر آپ کیوں دل تنگ ہوں) اور یہ (قرآن خصوصیت کے ساتھ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے (آگے عام امت کو خطاب ہے کہ جب قرآن کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہو گیا تو) تم لوگ اس (کتاب کا) اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے (اتباع کتاب یہ ہی کہ اس کی دل سے تصدیق بھی کرو اور اس پر عمل بھی) اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر (جس نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا) دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو، (جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیاطین الجن والانس مگر باوجود اس مشفقانہ فہمایش کے) تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو، اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ان کو (یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے کفر و تکذیب کی بنا پر) ہم نے تباہ و برباد کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب (یا تو) رات کے وقت پہونچا (جو سونے اور آرام کرنے کا

وقت ہی) یا ایسی حالت میں (پہونچا) کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے (یعنی کسی کو کسی وقت کسی کو کسی وقت) سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم (اور خطاوار) تھے (یعنی ایسے وقت اقرار کیا جب کہ اقرار کا وقت گذر چکا تھا، یہ تو دنیوی عذاب ہوا) پھر (اس کے بعد آخرت کے عذاب کا سامان ہوگا کہ قیامت میں) ہم ان لوگوں سے (بھی) ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے (کہ تم نے پیغمبروں کا کہنا مانا یا نہیں) اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے (کہ تمہاری امتوں نے تمہارا کہنا مانا یا نہیں؟ یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ، اور دونوں سوالوں سے مقصود کفار کو زجر و تنبیہ ہوگی) پھر چونکہ ہم پوری خبر رکھتے ہیں خود ہی (سب کے روبرو ان کے اعمال کو) بیان کر دیں گے، اور ہم (عمل کے وقت اور جگہ سے) غائب تو نہ تھے۔

معارف ومسائل

پوری سورۃ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے مضامین زیادہ تر معاد، یعنی آخرت اور نبوت و رسالت کے متعلق ہیں، چنانچہ ابتداء سورۃ سے چھٹے رکوع تک تقریباً مضمون معاد و آخرت کا بیان ہوا ہے، پھر آٹھویں رکوع سے اکیسویں رکوع تک انبیاء سابقین کے حالات اور ان کی امتوں کے واقعات' ان کی جزاء و سزاء اور ان پر آنے والے عذابوں کا مفصل تذکرہ ہے۔

فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ، پہلی آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو آپ کے پاس بھیجی گئی ہے، آپ کو اس کی وجہ سے دل تنگی نہ ہونی چاہئے، دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ کو کسی کا خوف مانع نہ ہونا چاہئے کہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے اور آپ کو ایذاء دیں گے، (کذا روی عن ابی العالیۃ، مظہری)

اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے اس نے آپ کی امداد و حفاظت کا بھی انتظام کر دیا ہے، اس لئے آپ کیوں دل تنگ ہوں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن اور احکامِ اسلام سن کر بھی جو لوگ مسلمان نہ ہوتے تھے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجہ شفقت کے شاق ہوتا تھا، اسی کو دل تنگی سے تعبیر کیا گیا، اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ کا فرض منصبی صرف تبلیغ و دعوت کا ہے، جب آپ نے یہ کام کر لیا تو اب یہ ذمہ داری آپ کی نہیں کہ کون مسلمان ہوا کون

نہیں ہوا، پھر آپ کیوں بلا وجہ دل تنگ ہوں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ، یعنی قیامت کے روز عوام الناس سے سوال کیا جائے گا کہ ہم نے تمہارے پاس اپنے رسول اور کتابیں بھیجی تھیں، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اور رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ جو پیغام رسالت اور احکامِ الٰہیہ دے کر ہم نے آپ کو بھیجا تھا وہ آپ حضرات نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیئے یا نہیں (اخرجہ البیہقی عن ابن عباسؓ مظہری)

اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لوگوں سے سوال کیا کہ قیامت کے ....

روز تم لوگوں سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا یا نہیں؟ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ، "یعنی اس وقت تم اس کے جواب میں کیا کہو گے"؟ سب صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا، اور امانتِ خداوندی کا حق ادا کر دیا، اور امت کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کیا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔ "یعنی یا اللہ آپ گواہ رہیں"۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت فرماویں گے کہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں کو پہونچا دیا، اور میں جواب میں عرض کروں گا کہ میں نے پہونچا دیا ہے، اس لئے اب تم سب اس کا اہتمام کرو کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غائبین تک میرا پیغام پہونچا دیں (مظہری)

غائبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے مگر اس مجلس میں حاضر نہ تھے، اور وہ نسلیں بھی جو بعد میں پیدا ہوں گی، ان تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ آنے والی نسل کو اس پیغام کے پہونچانے کا سلسلہ جاری رکھیں، تاکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام بنی آدم کو یہ پیغام پہونچ جائے۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ٍۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ

اور تول اس دن ٹھیک ہوگی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں

ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ

نجات پانے والے، اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں

الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾

جنھوں نے اپنا نقصان کیا، اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ
اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کردیں اس میں تمھارے لئے روزیاں

قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۰ ع
تم بہت کم شکر کرتے ہو

ع ۱۰ / ۸

خلاصۂ تفسیر

اور اس روز (یعنی قیامت کے دن اعمال وعقائد کا) وزن واقع ہونے والا ہے (تاکہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہوجائے) پھر (وزن کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا (یعنی وہ مؤمن ہوگا) سو ایسے لوگ (تو) کامیاب ہوں گے (یعنی نجات پائیں گے) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو یہ لوگ وہ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے، اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمھارے لئے اس (زمین) میں سامانِ زندگی پیدا کیا (جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تم اس کے شکریہ میں فرمانبردار واطاعت شعار ہوتے، لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (مراد اس سے اطاعت ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں، لیکن بوجہ ایمان نہ ہونے کے وہ قابلِ اعتبار نہیں)

معارف و مسائل

پہلی آیت میں ارشاد ہے وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ، یعنی بھلے بُرے اعمال کا وزن ہونا اس دن حق وصحیح ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لوگ اس سے دھوکا نہ کھائیں کہ وزن اور تول تو ان چیزوں کا ہوا کرتا ہے جن میں کوئی بوجھ اور ثقل ہو، انسان کے اعمال خواہ اچھے ہوں یا بُرے ان کا کوئی جسم اور جرم ہی نہیں، جس کا تول ہو سکے، پھر اعمال کا وزن کیسے ہوگا، کیونکہ اول تو مالک الملک قادرِ مطلق ہر چیز پر قادر ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں حق تعالیٰ بھی نہ تول سکیں، اس کے علاوہ آج کل تو دنیا میں وزن تولنے کے لئے نئے نئے آلات ایجاد ہوچکے ہیں جن میں نہ ترازو کی ضرورت ہے نہ اس کے پلّوں کی اور نہ ڈنڈی کی اور کانٹے کی، آج تو ان نئے آلات کے ذریعہ وہ چیزیں بھی تولی جاتی ہیں جن کے تولنے کا آج سے پہلے کسی کو تصور بھی نہ تھا، ہَوا تولی جاتی ہے، برقی رَو تولی جاتی

ہے، سردی گرمی تولی جاتی ہے، الکامیٹر ہی ان کی ترازو ہوتی ہے اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اعمال کا وزن کرلیں تو اس میں کیا استبعاد ہے، اس کے علاوہ خالقِ کائنات کو اس پر بھی قدرت ہے کہ ہمارے اعمال کو کسی وقت جوہری وجود اور کوئی شکل وصورت عطا فرما دیں، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی روایات اس پر شاہد بھی ہیں کہ برزخ اور محشر میں انسانی اعمال خاص خاص شکلوں اور صورتوں میں آئیں گے قبر میں انسان کے اعمالِ صالحہ ایک حسین صورت میں اس کے مونس بنیں گے، اور بُرے اعمال سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے، حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی وہ مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کی قبر میں پہونچ کر اس کو ڈسے گا، اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں

اسی طرح معتبر احادیث میں ہے کہ میدانِ حشر میں انسان کے اعمالِ صالحہ اس کی سواری بن جائیں گے، اور بُرے اعمال بوجھ بنکر اس کے سر پر لادے جائیں گے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میدانِ حشر میں دو گھنے بادلوں کی شکل میں آکر ان لوگوں پر سایہ کریں گی جو اِن سورتوں کے پڑھنے والے تھے۔

اسی طرح کی بے شمار روایاتِ حدیث مستند اور معتبر طریقوں سے منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان سے گذر جانے کے بعد ہمارے یہ سارے اعمال نیک وبد خاص خاص شکلیں اور صورتیں اختیار کرلیں گے، اور ایک جوہری وجود کے ساتھ میدانِ حشر میں موجود ہوں گے۔

قرآن مجید کے بھی بہت سے ارشادات سے اس کی تائید ہوتی ہے، ارشاد ہے: وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ، "یعنی لوگوں نے دنیا میں جو کچھ عمل کیا تھا اس کو وہاں حاضر وموجود پائیں گے"، ایک آیت میں فرمایا مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ "یعنی جو شخص ایک ذرہ کی برابر بھی کوئی نیکی کرے گا تو قیامت میں اس کو دیکھے گا، اور ایک ذرہ کی برابر بھی بُرائی کرے گا تو قیامت میں اس کو بھی دیکھے گا"، ظاہر ان حالات سے یہی ہے کہ انسان کا عمل جوہری وجود کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا، ان میں بھی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں، کہ اعمال کی جزاء کو موجود پائے گا اور دیکھے گا۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ ان اعمال کا تولا جانا کوئی بعید یا مشکل امر نہیں رہتا، مگر چونکہ تھوڑی سی عقل وفہم کا مالک انسان اس کا عادی ہے کہ سارے امور کو اپنی موجودہ حالت اور کیفیت ظاہری پر قیاس کرتا ہے، اور سب چیزوں کو اسی کے پیمانہ سے جانچتا ہے، قرآن کریم نے اس کے اسی حال کو اس طرح بیان فرمایا ہے، يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ، "یعنی یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ایک ظاہری پہلو کو جانتے ہیں وہ بھی پورا نہیں، اور آخرت سے بالکل غافل ہیں، ظاہر حیات دنیا میں تو زمین

آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، مگر حقائق اشیاء سے جن کا صحیح انکشاف آخرت میں ہونے والا ہے، یہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔

آیت مذکورہ میں اسی لئے اہتمام کرکے یہ فرمایا گیا وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ، تاکہ یہ ظاہر بین انسان آخرت میں وزنِ اعمال سے انکار نہ کر بیٹھے، جو قرآن کریم سے ثابت اور پوری امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید میں بروز قیامت وزنِ اعمال ہونے کا مسئلہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانوں سے آیا ہے اور روایاتِ حدیث ... اس کی تفصیلات میں بے شمار ہیں۔

وزنِ اعمال کے متعلق ایک شبہ اور جواب

وزنِ اعمال کے متعلق جو تفصیلی بیان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آیا ہے اس میں ایک بات تو یہ قابلِ غور ہے کہ متعدد روایاتِ حدیث میں آیا ہے کہ محشر کی میزانِ عدل میں سب سے بڑا وزن کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ہوگا، جس ... پلّے میں یہ کلمہ ہوگا وہ سب پر بھاری رہے گا۔

ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے ۹۹ نامۂ اعمال لائے جاویں گے، اور ان میں سے ہر نامۂ اعمال اتنا طویل ہوگا کہ جہاں تک اس کی نظر پہونچتی ہے، اور یہ سب نامۂ اعمال برائیوں اور گناہوں سے لبریز ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان نامہائے اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے یا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کچھ ظلم کیا ہے اور خلافِ واقعہ کوئی بات لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا کہ اے میرے پروردگار! جو کچھ لکھا ہے سب صحیح ہے، اور دل میں گھبرائے گا کہ اب میری نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گناہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی ہمارے پاس موجود ہے، جس میں تمہارا کلمہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! اتنے بڑے سیاہ نامۂ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا وزن رکھے گا، اس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا، اور ایک پلّہ میں وہ سب گناہوں سے بھرے ہوئے نامہائے اعمال رکھے جائیں گے، دوسرے میں یہ کلمۂ ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پلّہ بھاری ہوجائے گا اور سارے گناہوں کا پلّہ ہلکا ہوجائے گا، اس واقعہ کو بیان کرکے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی۔ (مظہری)

اور مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کرکے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلّہ میں اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پلّہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلّہ ہی بھاری رہے گا، اسی مضمون کی روایات حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے معتبر سندوں کے ساتھ کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔ (مظہری)

ان روایات کا مقتضا تو یہ ہے کہ مؤمن کا پلّہ ہمیشہ بھاری ہی رہے گا، خواہ وہ کتنے بھی گناہ کرے، لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور بہت سی روایاتِ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنات اور سیئات کو تولا جائے گا کسی کی حسنات کا پلّہ بھاری ہوگا، کسی کے گناہوں کا، جس کی حسنات کا پلّہ بھاری رہے گا وہ نجات پائے گا جس کی سیئات اور گناہوں کا پلّہ بھاری ہوگا اس کو عذاب ہوگا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے:-

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

"یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اس لئے کسی شخص پر ادنیٰ ظلم نہیں ہوگا جو بھلائی یا برائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہو وہ سب میزانِ عمل میں رکھی جائے گی اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں"

اور سورۂ قارعہ میں ہے:-

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ

"یعنی جس کا نیکیوں کا پلّہ بھاری ہوگا وہ عمدہ عیش میں رہے گا، اور جس کا پلّہ نیکی کا ہلکا ہوگا اس کا مقام دوزخ ہوگا"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ جس مؤمن کا پلّہ حسنات کا بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جنت میں اور جس کا پلّہ گناہوں کا بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جہنم میں بھیج دیا جائے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مظہری)

اور ابوداؤد میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں

کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل موجود ہیں تو فرضوں کی کمی کو نفلوں سے پورا کر دیا جائے گا۔ (مظہری)

ان تمام آیات و روایات کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن مسلمان کا پلہ بھی کبھی بھاری کبھی ہلکا ہوگا، اس لئے بعض علماءِ تفسیر نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا، اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا جس کے ذریعہ مؤمن، کافر کا امتیاز کیا جائے گا، اس وزن میں جس کے نامۂ اعمال میں صرف کلمۂ ایمان بھی ہے اس کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اور وہ کافروں کے گروہ سے الگ کر دیا جائے گا، پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں کسی کی برائیاں بھاری ہوں گی، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزاء ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے (بیان القرآن)

وزنِ اعمال کس طرح ہوگا بخاری و مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض موٹے فربہ آدمی آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کی برابر بھی نہ ہوگا، اور اس کی شہادت میں آپؐ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی، فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا، یعنی قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قرار نہ دیں گے (مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مناقب میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں ظاہر میں کتنی پتلی ہیں لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کی میزانِ عدل میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں مگر میزانِ عمل میں بہت بھاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں، اور وہ کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنے سے میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے، اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے باقی آدھا پورا ہو جاتا ہے۔

اور ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزانِ عمل میں حسنِ خلق کی برابر کوئی عمل وزنی نہیں ہوگا۔

اور حضرت ابوذر غفاریؓ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں ایسے دو کام بتاتا ہوں جن پر عمل کرنا انسان کے لئے کچھ بھاری نہیں، اور میزانِ عمل میں وہ سب سے زیادہ بھاری ہوں گے، ایک حسنِ خلق، دوسرے زیادہ خاموش رہنا، یعنی بلاضرورت کلام نہ کرنا۔

اور امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں بروایت حضرت حازمؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبرئیل امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا تعالیٰ سے رو رہا تھا، تو جبرئیل امین نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہوگا مگر خدا و آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا، بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا (مظہری)

ایک حدیث میں ہے کہ میدانِ حشر میں ایک شخص حاضر ہوگا، جب اُس کا نامۂ اعمال سامنے آئے گا تو وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم پاکر گھبرائے گا کہ اچانک ایک چیز بادل کی طرح اُٹھ کر آئیگی اور اس کے نیک اعمال کے پلے میں گر جائے گی، اور اس کو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرے اس عمل کا ثمرہ ہے جو تو دنیا میں لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتلاتا اور سکھاتا تھا، اور یہ تیری تعلیم کا سلسلہ آگے چلا تو جس جس شخص نے اس پر عمل کیا اُن سب کے عمل میں تیرا حصہ بھی لگایا گیا (مظہری عن ابن المبارک)

طبرانی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جائے اس کی میزانِ عمل میں دو قیراط رکھ دی جائیں گی، اور دوسری روایات میں ہے کہ اس قیراط کا وزن اُحد پہاڑ کی برابر ہوگا۔

طبرانی نے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی میزانِ عمل میں سب سے پہلے جو عمل رکھا جائے گا وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے اور انکی ضروریات پورا کرنے کا نیک عمل ہے۔

اور امام ذہبیؒ نے حضرت عمران بن حصینؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی جس سے انھوں نے علم دین اور احکامِ دین لکھے ہیں اور شہیدوں کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون کے وزن سے بڑھ جائے گا۔

اس طرح کی روایاتِ حدیث قیامت کے وزنِ اعمال کے سلسلہ میں بہت ہیں، یہاں چند کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے خاص خاص اعمال کی فضیلت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان تمام روایات حدیث سے وزنِ اعمال کی کیفیت مختلف معلوم ہوتی ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کرنے والے . . . انسان تولے جائیں گے، وہ اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے ہلکے بھاری ہوں گے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نامۂ اعمال تولے جائیں گے، اور بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ خود اعمال مجسم ہو جائیں گے وہ تولے جائیں گے، امام تفسیر ابن کثیرؒ نے یہ سب روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ وزن مختلف صورتوں سے کئی مرتبہ کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ پوری حقیقت ان معاملات کی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اور عمل کرنے کے لئے

اس حقیقت کا جاننا ضروری بھی نہیں، صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہوگا، نیک اعمال کا پلہ ہلکا رہا تو عذاب کے مستحق ہوں گے، یہ دوسری بات ہو کہ حق تعالیٰ کسی کو خود اپنے فضل و کرم سے یا کسی نبی یا ولی کی شفاعت سے معاف فرما دیں اور عذاب سے نجات ہو جائے۔

جن روایات میں یہ مذکور ہو کہ بعض لوگوں کو صرف کلمۂ ایمان کی بدولت نجات ہو جائے گی اور سب گناہ اس کے مقابلہ میں معاف ہو جائیں گے، یہ اسی استثنائی صورت سے متعلق ہیں جو عام ضابطہ سے الگ مخصوص فضل و کرم کا مظہر ہے۔

ان دونوں آیتوں میں جن کی تفسیر ابھی بیان ہوئی، گناہگاروں کو میدانِ حشر کی رسوائی اور عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا تھا، تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر فرما کر حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب اس طرح دی گئی کہ ہم نے تم کو زمین پر پوری قدرت اور تصرف مالکانہ عطا کیا، اور پھر اس میں تمہارے لئے سامانِ عیش حاصل کرنے کے ہزاروں راستے کھول دیئے، گویا رب العالمین نے زمین کو انسان کی تمام ضروریات سے لے کر تفریحی سامان تک کا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے، اور تمام انسانی ضروریات کو اس کے اندر پیدا فرما دیا ہے، اب انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ اس گودام سے اپنی ضروریات کو نکالنے اور ان کے استعمال کرنے کے طریقوں کو سیکھ لے، انسان کے ہر علم و فن اور سائنس کی نئی سے نئی ایجاد کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ خالقِ کائنات کی پیدا کی ہوئی چیزیں جو زمین کے گودام میں محفوظ ہیں، ان کو سلیقہ کے ساتھ نکالے اور صحیح طریقہ سے استعمال کرے، بیوقوف اور بدسلیقہ آدمی جو اس گودام سے نکالنے کا طریقہ نہیں جانتا، یا پھر نکال کر اس کے استعمال کا طریقہ نہیں سمجھتا وہ ان کے منافع سے محروم رہتا ہے، سمجھدار انسان دونوں چیزوں کو سمجھ کر ان سے نفع اٹھاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہو کہ ساری ضروریاتِ انسانی حق تعالیٰ نے زمین میں ودیعت رکھ دی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں حق تعالیٰ کا شکر گزار رہو مگر وہ غفلت میں پڑ کر اپنے خالق و مالک کے احسانات کو بھول جاتا ہے، اور انہی اشیاء میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے، اسی لئے آخر آیت میں بطور شکایت کے ارشاد فرمایا: قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ، یعنی تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو

لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

آدم کو پس سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں،

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تونے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں اس سے بہتر ہوں،

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

مجھ کو تونے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے، کہا تو اتر یہاں سے

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬

تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے،

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮

بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں، فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی،

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯

بولا تو جیسا تونے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر،

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰ قَالَ

اور بائیں سے، اور نہ پاوے گا اکثروں کو ان میں شکر گزار، کہا

اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

نکل یہاں سے بُرے حال سے مردود ہو کر، جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱

ضرور بھروں گا دوزخ کو تم سب سے

خلاصۂ تفسیر

اور ہم نے تم کو پیدا کرنے کا سامان شروع کیا (یعنی آدم علیہ السلام کا مادہ بنایا کہ مادے سے تم سب لوگ ہو) پھر (مادہ بنا کر) ہم نے تمہاری صورت بنائی (یعنی اس مادے میں آدم علیہ السلام کی صورت بنائی، پھر وہی صورت ان کی اولاد میں چلی آرہی ہے، یہ نعمتِ ایجاد ہوئی) پھر (جب آدم علیہ السلام بن گئے اور علوم اسماء سے مشرف ہوئے تو) ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو (اب) سجدہ کرو (یہ نعمت اکرام ہوئی) تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا، بجز ابلیس کے کہ وہ

سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا، حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے، جب کہ میں (خود) تجھ کو سجدہ کا حکم دے چکا، کہنے لگا (وہ امر مانع یہ ہے کہ) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے (یہ شیطانی استدلال کا پہلا مقدمہ ہے، اور دوسرا مقدمہ جس کا ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ آگ بوجہ نورانی ہونے کے خاک سے افضل ہے، تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کی فرع اور اولاد بھی غیر افضل کی فرع سے افضل ہوتی ہے، چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کا سجدہ کرنا غیر افضل کو نامناسب ہے، ان چاروں مقدمات کو ملاکر شیطان نے اپنے سجدہ نہ کرنے کی یہ دلیل بنائی کہ میں افضل ہوں اس لئے غیر افضل کو سجدہ نہیں کیا، مگر پہلے مقدمہ کے سوا سارے ہی مقدمات غلط ہیں، اور پہلا مقدمہ بھی عام انسانوں کے حق میں اس معنی سے صحیح ہے کہ انسان کی تخلیق میں جزو غالب مٹی کا ہے، باقی مقدماتِ دلیل کا غلط ہونا کھلا ہوا ہے، کیونکہ آگ کا خاک پر افضل ہونا ایک جزوی فضیلت تو ہوسکتی ہے، کلی طور پر اس کو افضل کہنا دعویٰ بے دلیل ہے، اسی طرح افضل کی فرع اور اولاد کا افضل ہونا بھی مشکوک ہے، ہزاروں واقعات اس کے خلاف سامنے آتے ہیں، کہ نیک کی اولاد بد اور بد کی اولاد نیک ہوجاتی ہے، اسی طرح یہ بھی غلط ہے، کہ افضل کو مفضول کے لئے سجدہ نامناسب ہے، بعض اوقات مصالح کا تقاضا اس کے خلاف ہونا مشاہد ہے)

حق تعالیٰ نے فرمایا (جب تو ایسا نافرمان ہے) تو آسمان سے نیچے اتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے، (خاص کر) آسمان میں رہ کر (جہاں سب فرمانبرداروں ہی کا مقام ہے) تو (یہاں سے) نکل (دور ہو) بے شک تو (اس تکبر کی وجہ سے) ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا کہ بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو (بحکم تکوینی) گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان (کے یعنی آدم اور اولادِ آدم کی رہزنی کرنے) کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر (جو کہ دین حق ہے جاکر) بیٹھ جاؤں گا پھر ان پر (ہر چار طرف سے) حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی (یعنی ان کے بہکانے میں کوشش کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پاویں) اور (میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گا، چنانچہ) آپ ان میں سے اکثروں کو (آپ کی نعمتوں کا) احسان ماننے والا نہ پاویں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں (آسمان) سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جا اور تو جو اولادِ آدم کو بہکانے کو کہتا ہے تو جو تیرا جی چاہے کرلے میں سب سے بے نیاز ہوں نہ کسی کے راہِ راست پر آنے سے میرا کوئی فائدہ ہو نہ گمراہ ہونے سے کوئی نقصان) جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے (یعنی ابلیس

اور اس کی بات ماننے والوں سے) جہنم کو بھر دوں گا۔

معارف ومسائل

حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہے اس سے پہلے سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں بیان ہوچکا ہے، اس کے متعلقہ بہت سے تحقیق طلب امور کا بیان وہاں ہوا ہے، یہاں مزید چند امور تحقیق طلب کا جواب لکھا جاتا ہے۔

ابلیس کی دعاء قیامت تک زندگی کی قبول ہوئی یا نہیں، بصورتِ قبول دو آیتوں کے متعارض الفاظ کی تطبیق

ابلیس نے عین اس وقت جبکہ اس پر عتاب وعقاب ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ سے ایک دعاء مانگی، اور وہ بھی عجیب دعاء کہ حشر تک کی زندگی کی مہلت عطا فرما دیجئے، اس کے جواب میں جو ارشاد حق تعالیٰ نے فرمایا اس کے الفاظ اس جگہ مذکورہ آیت میں تو صرف یہ ہیں اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ، یعنی تجھ کو مہلت دی گئی ہے ان الفاظ سے بقرینہ دعاء وسوال یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ مہلت حشر تک کی دی گئی، جیسا کہ اس نے سوال کیا تھا، مگر اس کی تصریح اس آیت میں نہیں ہے، کہ جس مہلت دینے کا ذکر یہاں فرمایا ہے وہ ابلیس کے کہنے کے مطابق حشر تک ہے یا کسی اور میعاد تک، لیکن دوسری آیت میں اس جگہ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ کے الفاظ بھی آئے ہیں، جن کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کی مانگی ہوئی مہلت قیامت تک نہیں دی گئی، بلکہ کسی خاص مدت تک دی گئی ہے جو علم الٰہی میں محفوظ ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ ابلیس کی یہ دعاء قبول تو ہوئی، مگر ناتمام کہ بجائے روزِ قیامت کے ایک خاص مدت تک کی مہلت دیدی گئی۔

تفسیر ابن جریر میں ایک روایت سدیؒ سے منقول ہے اس سے اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

فلم ینظرہ الی یوم البعث ولکن انظرہ الی یوم الوقت المعلوم وھو یوم ینفخ فی الصور النفخة الاولی فصعق من فی السموات ومن فی الارض فمات، الخ

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یوم بعث تک مہلت نہیں دی بلکہ ایک معین دن تک مہلت دی ہے اور وہ دن ہے جس میں پہلا صور پھونکا جائے گا، جس سے آسمان وزمین والے سب بیہوش ہوجائیں گے اور مرجائیں گے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ شیطان نے تو اپنی دعاء میں اس وقت تک کی مہلت مانگی تھی، جبکہ دوسرا صور پھونکنے تک تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا، اسی کا نام یوم البعث ہے، اگر یہ دعاء بعینہ قبول ہوتی تو جس وقت ایک ذات حیّ وقیوم کے سوا کوئی زندہ نہ رہے گا، اور

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا ظہور ہوگا، اس دعاء کی بناء پر ابلیس اس وقت بھی زندہ رہتا، اس لئے اس کی ایک دُعاء، کو یوم بعث تک کی مہلت کے بجائے يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ تک کی مہلت سے تبدیل کرکے قبول کیا گیا، جس کا اثر یہ ہوگا کہ جس وقت سارے عالم پر موت طاری ہوگی، اس وقت ابلیس کو بھی موت آئے گی، پھر جب سب دوبارہ زندہ ہوں گے تو وہ بھی زندہ ہو جائے گا۔

اس تحقیق سے وہ شبہ بھی رفع ہوگیا جو آیت كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سے اس دعاء کے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر دونوں میں تعارض ہوگیا۔

لیکن حاصل اس تحقیق کا یہ ہو کہ یوم البعث اور یوم الوقت المعلوم دو الگ الگ دن ہیں ابلیس نے یوم البعث تک کی مہلت مانگی تھی وہ پوری قبول نہ ہوئی، اس کو بدل کر یوم الوقت المعلوم تک کی مہلت دی گئی، سیدی حضرت حکیم الامتہ تھانوی نے بیان القرآن میں ترجیح اس کو دی ہے، کہ درحقیقت یہ دونوں الگ الگ دن ہیں، بلکہ نفخۂ اولیٰ کے وقت سے دخولِ جنت و نار تک ایک طویل دن ہوگا، اس کے مختلف حصّوں میں مختلف واقعات ہوں گے، انہی واقعات مختلفہ کی بناء پر اس دن کی ہرِ واقعہ کی طرف نسبت کرسکتے ہیں، مثلاً اس کو یوم نفخ صور و یوم فنا بھی کہہ سکتے ہیں، اور یوم بعث اور یوم جزاء بھی، اس سے سب اشکالات رفع ہوگئے، فللّٰہ الحمد

کیا کافر کی دعاء بھی قبول ہوسکتی ہے

یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ آیاتِ قرآن وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ، سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کافر کی دُعاء قبول نہیں ہوتی، مگر اس واقعۂ ابلیس اور آیت مذکورہ سے قبولیتِ دعاء کا اشکال ظاہر ہے، جواب یہ ہے کہ دنیا میں تو کافر کی دعاء بھی قبول ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ ابلیس جیسے اکفر کی دعاء بھی قبول ہوگئی، مگر آخرت میں کافر کی دعاء قبول نہ ہوگی، اور آیت مذکورہ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ آخرت کے متعلق ہے دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

واقعۂ آدمؑ و ابلیس کے مختلف الفاظ

قرآن مجید میں یہ قصّہ کئی جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ اس سوال و جواب کے الفاظ مختلف ہیں، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے، وجہ یہ ہے کہ اصل واقعہ میں تو سب جگہ ایک ہی مضمون ہے اور نقلِ الفاظ ہر جگہ بعینہٖ ضروری نہیں، روایت بالمعنیٰ بھی ہوسکتی ہے، اتحادِ مضمون و مفہوم کے بعد اختلافِ الفاظ قابلِ نظر نہیں۔

ابلیس کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ بارگاہِ عزت و جلال میں ایسی بیباکانہ گفتگو کی،

رب العزت جل شانہٗ کی بارگاہِ قدس میں فرشتوں اور رسولوں کو بھی ہیبت و جلال کی بناء پر مجالِ دم زدنی نہیں تھی، ابلیس کو ایسی جرأت کیسے ہوگئی، علماء نے فرمایا کہ یہ قہر الٰہی کا انتہائی سخت مظہر

۳۴

ہو کہ ابلیس کے مردود ہو جانے کے باعث ایک ایسا حجاب حائل ہوگیا جس نے اس پر حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستور کردیا اور بے حیائی اس پر مسلّط کردی (بیان القرآن ملخصاً و موضحاً)

شیطان کا حملہ انسان پر چارطرف میں محدود نہیں عام ہے

قرآن عزیز کی مذکورہ آیت میں یہ مذکور ہو کہ ابلیس نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لئے چار جانب کو بیان کیا ہے، آگے پیچھے، دائیں بائیں، لیکن یہاں درحقیقت کوئی تحدید مقصود نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر سمت سے اور ہر پہلو سے، اس لئے اوپر کی جانب یا پاؤں تلے سے گمراہ کرنے کا احتمال اس کے منافی نہیں، اسی طرح حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو کر خون کی رگوں کے ذریعہ پورے بدن انسان پر تصرف کرتا ہے، یہ بھی اس کے منافی نہیں۔

آیات مذکورہ میں شیطان کو آسمان سے نکل جانے کا حکم دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، پہلے فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ میں دوسرا قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا میں غالباً پہلا کلام ایک تجویز ہے اور دوسرے میں اس کی تنفیذ (بیان القرآن ملخصاً)

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے گناہگار،

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا

پھر بہکایا ان کو شیطان نے تاکہ کھول دے ان پر وہ چیز کہ ان کی نظر سے پوشیدہ تھی،

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ

ان کی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ

مگر اسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے، اور

قَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں، پھر مائل کرلیا ان کو فریب سے

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں ان کی اور لگے جوڑنے

النصف

عَلَيْهِمَا مِن وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ

اپنے اوپر بہشت کے پتے اور پکارا ان کو ان کے رب نے کہا میں نے منع نہ کیا تھا

تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ

بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر، اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ

ہو جاویں گے تباہ ، فرمایا تم اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے واسطے

فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ

زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک ، فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے اور

فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۵ ۹

اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے

خلاصۂ تفسیر

اور ہم نے (آدم علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بی بی (حوا) جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو (اور جس چیز کو چاہو) دونوں آدمی کھاؤ اور (اتنا خیال رہے کہ) اس (خاص) درخت کے پاس (بھی) مت جاؤ (یعنی اس کا پھل نہ کھاؤ) کبھی ان لوگوں کے شمار میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں، پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ (ان کو وہ ممنوع درخت کھلا کر) ان کا مستور بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے (کیونکہ اس درخت کے کھانے کی یہی تاثیر ہے، خواہ بالذات یا بوجہ ممانعت کے) اور (وہ وسوسہ یہ تھا کہ دونوں سے) کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں (اس کو کھا کر) کہیں فرشتے نہ بن جاؤ، یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ (حاصل وسوسہ کا یہ تھا کہ اس درخت کے کھانے سے قوت ملکیت اور دائمی زندگی کی پیدا ہو جاتی ہے، مگر شروع میں آپ کا وجود اس طاقتور غذا کا متحمل نہ تھا، اس لئے منع کر دیا گیا تھا، اب آپ کی حالت اور قوت میں ترقی ہو گئی، اور آپ کے قویٰ میں اس کا تحمل ہو گیا

تو اب وہ ممانعت باقی نہ رہی) اور ان دونوں کے روبرو (اس بات پر) قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا دل سے خیرخواہ ہوں تو (ایسی باتیں بنا کر) ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا، (نیچے لانا باعتبار حالت اور رائے کے بھی تھا کہ اپنی رائے عالی کو چھوڑ کر اس دشمن کی رائے پر مائل ہو گئے، اور مقام کے اعتبار سے بھی کہ جنت سے اسفل کی طرف اتارے گئے) پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا (فوراً) دونوں کا مستور بدن ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا، (یعنی جنت کا لباس اتر پڑا اور دونوں شرما گئے) اور (بدن چھپانے کے لئے) دونوں اپنے (بدن کے) اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور (اس وقت) ان کے رب نے ان کو پکارا، کیا میں تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ بتلا چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، (اس کے بہکانے سے بچتے رہنا) دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا (کہ پوری احتیاط اور تأمل سے کام نہ لیا) اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہم بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے، حق تعالیٰ نے (آدم و حوا علیہما السلام سے) فرمایا کہ (جنت سے نیچے (زمین پر) ایسی حالت میں جاؤ کہ تم (یعنی تمہاری اولاد) باہم بعضے بعض کے دشمن رہو گے، اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ (تجویز کی گئی) ہے اور (اسباب معیشت سے) نفع حاصل کرنا (تجویز ہوا ہے) ایک وقت خاص تک (یعنی موت کے وقت تک اور یہ بھی) فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے (قیامت کے روز) پھر زندہ ہو کر نکلنا ہے۔

معارف و مسائل

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا جو واقعہ آیاتِ مذکورہ میں آیا ہے بعینہٖ یہ سب واقعہ سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں پوری تفصیل کے ساتھ آچکا ہے، اور اس کے متعلق جس قدر سوالات و شبہات ہو سکتے ہیں ان سب کا تفصیلی جواب اور پوری تشریح مع دیگر فوائد کے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں صفحہ ۱۱۸ سے صفحہ ۱۴۴ تک لکھ دیا گیا ہے، ضرورت ہو تو وہاں دیکھ لیا جائے

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ

اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے

وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

آرائش کے کپڑے اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے ، یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی